میری تمام سرگزشت..........

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے بارے میں اگر کہا جائے کہ وہ اس وقت برصغیر کے سب سے بڑے جلیل القدر استاذ حدیث ہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ان کا صرف صحیح بخاری شریف پڑھانے کا عرصہ نصف صدی پر مشتمل ہے ملک اور بیرون ملک کے بڑے بڑے شیخ الحدیث آپ کے تلامذہ کے حلقے میں شامل ہیں، حضرت نے اپنی سوانح زندگی املا کرانا شروع کی ہے، جسے جامعہ فاروقیہ کراچی کے فاضل اور تخصص فی الفقہ کے طالب علم مولوی شمس الحق کشمیری ضبط کر رہے ہیں، اب تک دو ڈھائی سو صفحات ہو چکے ہیں اور یوں خود حضرت کی زبان سے ان کی زندگی کی سرگزشت مرتب ہو رہی ہے، اس سرگزشت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت نے بغیر تصنع وتکلف کے زندگی کے واقعات کو ہو بہو بیان کر دیا ہے، بڑے لوگوں کی سوانح پر لکھی جانے والی کتابوں میں بسا اوقات ایک کمی یہ پائی جاتی ہے کہ وہ بچپن ہی سے طبعی زندگی سے ماوراء منفرد دکھائے جانے لگتے ہیں، سوانح نگار غالباً عقیدت کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں، لیکن اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والا قاری ان کو فطری تقاضوں، طبعی زندگی کی الجھنوں اور گردش لیل ونہار کی ہمہ گیر جکڑ بندیوں سے آزاد دیکھ کر یہ تاثر لے لیتا ہے کہ جو جھمیلے والی زندگی میں گزار رہا ہوں اس میں ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا ممکن نہیں، وہ ان کی سوانح کو قابلِ رشک تو سمجھ لیتا ہے، قابل تقلید نہیں......لیکن حضرت نے اپنی اس آپ بیتی میں طبعی زندگی کے واقعات کو بغیر کسی آمیزش کے ذکر کر دیا ہے، تعلیم وتربیت اور اپنے زمانۂ تدریس اور پاکستان ہجرت کی روئیداد پر مشتمل یہ سولہویں قسط نذر قارئین ہے، امید ہے کہ اسے ذوق وشوق سے پڑھا جائے گا۔سوانح یا آپ بیتی کا فی الحال یہ نام اس ناکارہ نے علامہ اقبال کے اس مشہور شعر سے اخذ کیا ہے۔

میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو   آتش رفتہ کا سراغ ہے میں غزل مری کہ میں

(مدیر)

پاکستان آمد کی مختصر روئیداد

پاکستان کا سفر طے ہو گیا تھا، عین اس وقت جب میں سفر پر روانہ ہونے کے لیے تیار تھا تو حضرت استاد صاحب نے فرمایا کہ پاکستان نہ جاؤ، شاید ان کو یہ خیال ہوا کہ پاکستان جا کر یہ وہیں رہ جائے گا اور کسی صورت بھی واپس نہیں آئے گا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ ہی کے حکم پر پاکستان سفر کا ارادہ کیا ہے۔اب جب کہ سفر کے انتظامات مکمل ہو گئے ہیں تو اس کو کیوں کر

ملتوی کیا جاسکتا ہے؟ اور مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب کو بھی میرے پاکستان آنے کی اطلاع کر دی گئی ہے۔

چنانچہ میں پاکستان آ گیا، میں جب لاہور پہنچا تو مولوی شمس الحق مرحوم[1] اُس وقت جامعہ اشرفیہ لاہور میں زیر تعلیم تھے اور وہ جامعہ اشرفیہ سے فارغ ہو کر اپنے گھر راولپنڈی جانے والے تھے، میں ان سے جب ملا تو وہ بہت خوش ہوئے، ایک دن لاہور ٹھہر کر میں حیدرآباد کے لیے روانہ ہوا، ناتجربہ کاری کی وجہ سے اور حالات سے ناواقف ہونے کی بنا پر غلطی یہ ہوئی کہ میں پسنجر ریل گاڑی سے روانہ ہوا، دوسری ایک غلطی یہ ہوئی کہ آنا تو حیدرآباد تھا اور ٹکٹ روہڑی کا لیا، یہ سمجھتے ہوئے کہ روہڑی حیدرآباد کے ساتھ ہے، جب کہ حیدرآباد کے ساتھ کوٹری ہے اور روہڑی سکھر کے ساتھ ہے، بہرحال روہڑی سے پھر حیدرآباد آنا ہوا، حیدرآباد کا قصد اس لیے تھا کہ میرے برادر نسبتی عثمان علی خان صاحب حیدرآباد میں رہتے تھے، یہاں پہنچنے پر جب حیدرآباد میں سلاوٹ پاڑے کی مسجد میں، نماز پڑھنے کے لیے گیا، تو وہاں ایک بنگالی مولوی صاحب امام تھے، یہ مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں پڑھتے رہے تھے، یہ اور اسی طرح بعض دوسرے بنگالی طالب علم جو جلال آباد میں پڑھتے رہے تھے، وہ پاکستان آ گئے تھے، اس وقت جو حصہ آج بنگلہ دیش کہلاتا ہے، وہ مشرقی پاکستان ہوا کرتا تھا، ان سے جب ملاقات ہوئی تو مجھے خوشی ہوئی، وہ بھی بہت خوش ہوئے۔

ایک بریلوی مولوی صاحب کی تقریر میں شرکت

انہوں نے بتایا کہ آج ایک بریلوی مولوی صاحب سردار احمد کی ''پھلیلی'' میں عشاء کے بعد تقریر ہے، یہ بریلوی مکتب فکر کے معروف آدمی تھے، امام صاحب کہنے لگے، وہاں تقریر سننے چلیں گے، آپ بھی چلیے، میں نے کہا ٹھیک ہے، چنانچہ عشاء کی نماز پڑھ کر ہم ان کے جلسے میں گئے۔

مجمع خاصہ تھا، لیکن بہت زیادہ نہیں تھا، مجھے پہلے کبھی کسی بریلوی عالم کی تقریر سننے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، کیونکہ ہمارے علاقے میں بریلوی نہیں ہوا کرتے تھے، عوام میں کچھ عملی بدعات تھیں، جیسے تیجہ، چالیسواں وغیرہ، لیکن عقیدے کی بدعات کا وہاں کوئی تصور موجود نہیں تھا، سردار احمد صاحب نے تقریر کے دوران ﴿فلنولینك قبلة ترضها فول وجهك شطر المسجد الحرام﴾ آیت تلاوت کی، اس کا ترجمہ کیا اور پھر کہا کہ جب آپ کی خواہش خانہ کعبہ کو قبلہ بنائے جانے کی تھی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی مجال نہیں تھی کہ اس خواہش کو پورا نہ کریں (نعوذ باللہ من ذلک) چنانچہ خانہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا، اس پر مجمعے نے نعرۂ رسالت لگایا، جب ہم دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث پڑھ رہے تھے تو کئی طلبا بریلویوں کے مخصوص مسائل کے متعلق حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پرچیاں بھیجا کرتے تھے، ہم چونکہ ان مسائل سے دوچار نہیں تھے، اس لیے نہ سوال کی طرف توجہ تھی، نہ جواب کی طرف۔ ہم کتاب کا مطالعہ کرنے لگتے تھے۔ آج سردار احمد صاحب کی یہ بات سن کر ان سوالات کی اہمیت سمجھ میں آئی اور ہم ان کی بات سن کر بہت منقبض ہوئے اور واپس چلے آئے، جلسہ جاری رہا، معلوم نہیں کہ کب ختم ہوا ہوگا، ایک طرف تو یہ افراط ہے اور دوسری طرف تفریط کا یہ

---

[1] دارالعلوم کراچی کے ممتاز استاذ حدیث اور ناظم تعلیمات۔

عالم ہے کہ بعض موحدین یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہیں چاہتے تھے کہ بیت اللہ کو قبلہ بنایا جائے، آپ کی مرضی کے علی الرغم بیت اللہ کو قبلہ بنایا گیا، یہ حضرات قرآن کریم کے سیاق وسباق کو بھی نظر انداز کرتے ہیں اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی بخاری شریف کی روایت میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش بیت اللہ کو قبلہ بنائے جانے کی تھی، اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ بات حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے غلط فہمی کی بنیاد پر کہی ہے، خواہ مخواہ صحابی رسول کا تخطئہ یہ کرتے ہیں اور بریلویوں کی ضد میں اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، حضرات علمائے دیوبند جو ہمیشہ اعتدال کو ملحوظ رکھتے ہیں اور یہی ان کی شناخت بھی ہے، ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ آپ کی خواہش ضرور خانہ کعبہ کو یا بیت اللہ کو قبلہ بنائے جانے کی تھی، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ پر تو کوئی چیز واجب ہوتی ہی نہیں، اس لیے انہوں نے آپ کی خواہش سے مجبور ہو کر بیت اللہ کو قبلہ نہیں بنایا، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم میں پہلے سے یہ بات مقرر تھی کہ فلاں وقت تک بیت المقدس قبلہ رہے گا اور اس کے بعد بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا جائے گا، چنانچہ وہ وقت آ گیا اور بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا گیا۔

دار العلوم اسلامیہ کی حالت زار

اس کے بعد ہم نے خیال کیا کہ ذرا ٹنڈو الہ یار کا چکر بھی لگالیں اور وہاں کے مدرسے کو دیکھیں، چنانچہ ہم ٹنڈو الہ یار گئے تو مدرسہ تقریباً بالکل خالی تھا، شعبان کا مہینہ تھا، چھٹی کے دن تھے، لیکن اس کے باوجود ویرانی کے آثار بھی نمایاں تھے، دفتر میں ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور ایک درس گاہ میں ایک حافظ صاحب بچوں کو پڑھاتے ہوئے نظر آئے، ایک دو بنگالی طالب علم بھی نظر آئے، مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوریؒ کے چلے جانے کے بعد ایک سال اس طرح گزرا سنا ہے اس سال دورے میں ایک طالب علم تھا اور دس پانچ طالب علم مختلف درجات میں تھے، مولانا محمد مالک صاحب، مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی جماعت کے رکن رکین تھے، وہ بھی ٹنڈو الہ یار کو چھوڑ کر مفتی محمد شفیع صاحب کے دار العلوم میں نانک واڑہ آ گئے تھے کہ اس وقت دار العلوم کراچی نانک واڑے ہی میں قائم تھا، اس کے بعد ہم کراچی آئے۔ کراچی میں میری بڑی ہمشیرہ کیماڑی میں رہتی تھیں، ان کے شوہر خورشید علی خان، جو ہمارے ماموں زاد بھائی تھے، کسٹم میں ملازم تھے، ان کے یہاں میں پہنچا۔

دار العلوم اسلامیہ چھوڑنے کے اسباب خود حضرت بنوری رحمہ اللہ کی زبانی

اور مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات کی، وہ اس زمانے میں ٹاور پر مجلس علمی کے ایک بہت مختصر چھوٹے سے کمرے میں تشریف فرما تھے، مجلس علمی کے ناظم مولانا طاسین تھے، جو بعد میں مولانا بنوریؒ کے داماد بھی بنے، یہ مجلس علمی پہلے ڈابھیل میں تھی اور مولانا بنوری رحمہ اللہ غالباً ڈابھیل میں اس کے ناظم تھے، مولانا سے ملاقات میں، میں نے اپنا مختصر تعارف کرایا اور ٹنڈو الہ یار کے مدرسے کو چھوڑنے کے اسباب دریافت کیے، مولانا نے وہاں کے اختلافات کا ذکر کیا اور کہا کہ اصل میں مولانا احتشام الحق تھانوی مہتمم تھے، لیکن وہ دار العلوم اسلامیہ میں قیام کے بجائے کراچی میں رہتے تھے اور جن لوگوں کو انہوں نے دار العلوم ٹنڈو الہ یار کے نظام کا ذمہ دار بنا رکھا تھا، وہ انتظامی صلاحیتوں کے لئے

نااہل بھی تھے اور جھوٹی سچی باتیں مولانا تھانوی کو پہنچاتے تھے، اس لیے حالات خراب ہوئے اور ہم لوگ دارالعلوم سے چلے آئے، دارالعلوم اسلامیہ کو چھوڑے ہوئے ایک سال ہو چکا تھا، لیکن مولانا بنوری رحمہ اللہ نے ابھی تک کہیں کام شروع نہیں کیا تھا، بعد میں انہوں نے ایک مولانا جو تبلیغی کالج کے بانی تھے، ان کے یہاں کام کا آغاز کیا، یہ مولانا علی گڑھ کے پڑھے ہوئے تھے اور بعد میں انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی تھی، ایک زمانے میں یہ تحریک چلی تھی کہ علی گڑھ کے ملا دارالعلوم آئیں اور علم دین حاصل کریں اور دارالعلوم کے فضلا علی گڑھ جائیں اور دنیاوی علوم حاصل کریں، اس طرح ان حضرات میں جامعیت پیدا ہوگی اور دونوں مراکز کا بُعد بھی کم یا ختم ہوگا۔ لیکن اس تحریک کو زیادہ پزیرائی حاصل نہیں ہوئی۔

انجمن اشاعت القرآن کی تاسیس

مولانا بنوریؒ کچھ عرصہ وہاں رہے، لیکن آپس میں موافقت پیدا نہیں ہوئی، اس لیے وہ اس کو چھوڑ کر جمشید روڈ آ گئے، جہاں آج جامعہ علوم اسلامیہ قائم ہے، یہ جگہ خالی تھی، سید خلیل صاحب نے اس کو حاصل کیا اور "انجمن اشاعت قرآن حکیم" کی داغ بیل ڈالی اور ایک بڑی مسجد کی بنیاد رکھی، اس میں امام، میرٹھ کے ایک عالم مولانا عبدالقیوم مقرر ہوئے، جن کی صاحبزادی ہمارے خواہرزادہ اسد خان ولد محمود علی خان کے عقد میں آئیں، مولانا بنوریؒ نے سید خلیل صاحب کے تعاون سے ادارہ قائم کیا، جو بنیادی طور پر انجمن اشاعت قرآن حکیم کے ماتحت تھا، انجمن ہی ابتدا میں اس کے مصارف مہیا کرتی تھی، مولانا نے مدرسے کا نام "مدرسہ عربیہ" رکھا اور تعلیم کا آغاز تخصص سے کیا، مولانا عبدالحق نافع گل سابق مدرس دارالعلوم دیوبند بھی وہاں تشریف لائے، مولانا نافع گل پہلے مظہر العلوم کھڈا مارکیٹ کراچی میں بھی مدرس رہے تھے، دوسرے استاد قاضی حسین احمد امیر جماعت اسلامی کے خسر مولانا تھے، بعد میں پھر بنوری صاحبؒ کے یہاں دوسرے درجات کی تعلیم بھی شروع ہوگئی۔

دارالعلوم اسلامیہ میں تدریس کا آغاز:

مولانا بنوری مرحوم کی ملاقات کے بعد میں مولانا احتشام الحق تھانوی سے ملا اور ان کو بتایا کہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب نے مجھے بھیجا ہے، مولانا نے فرمایا بہتر ہے آپ چھ شوال تک ٹنڈوالہ یار پہنچ جائیں اور تدریس کا آغاز کریں، میں نے مولانا تھانوی کی ملاقات کے بعد جلال آباد حضرت کو لکھا کہ آپ مولوی جمشید علی صاحب اور مولوی نصیر احمد صاحب کو بھی بھیج دیں، تاکہ وہ بھی یہاں کے حالات کا صحیح طریقے سے اندازہ لگا سکیں۔ مولوی جمشید علی صاحب چرتھاول ضلع مظفر نگر میں ایک مدرسے میں مدرس تھے، یہ مدرسہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب کے خلیفہ حافظ جمیل صاحب نے قائم کیا تھا، مولوی جمشید صاحب سے پہلے یہاں مولانا رفیق احمد صاحب بھی جلال آباد سے علیحدہ ہو کر مدرس رہ چکے تھے، پھر وہ چرتھاول سے اپنے گاؤں بھیسانی میں حافظ عبدالرزاق صاحب مرحوم کے بنائے ہوئے مدرسے میں آ گئے تھے اور انہوں نے یہاں کتابوں کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، قرآن کریم کی تعلیم تو پہلے ہی سے جاری تھی۔

حافظ عبدالرزاق

حافظ عبدالرزاق صاحب مرحوم متقی، پرہیزگار اور منتظم قسم کے آدمی تھے، وہ ہمارے طالب علمی کے زمانے میں جلال آباد میں پڑھتے تھے، ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے، حافظ قرآن تھے، لیکن قرآن مجید کچا تھا، اس میں بہت محنت کرتے تھے اور اپنی حیات کے آخر تک انہوں نے گردان سنانے کا سلسلہ برابر قائم رکھا، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب کے وہ خادم خاص بھی تھے، ایک مرتبہ کسی وجہ سے وہ جلال آباد سے ناراض ہو کر چلے گئے تھے اور امرتسر مولانا محمد اثر امرتسری کے مدرسے میں پہنچ گئے تھے، حضرت کو ان کے چلے جانے کا بہت رنج تھا جب معلوم ہوا کہ وہ امرتسر میں ہیں، تو حضرت نے ان کو آدمی بھیج کر بلوالیا تھا۔ وہ آ گئے تھے، کچھ عرصہ جلال آباد میں رہے، پھر انہوں نے اپنے گاؤں میں مدرسہ قائم کیا، گاؤں کے لوگ جاہل تھے، انہوں نے مدرسے کی مخالفت شروع کردی اور یہ مخالفت جنگ وجدال تک پہنچ گئی، ایک مرتبہ میں خود بھیسانی میں موجود تھا، میرے سامنے لڑائی ہوئی، مدرسے میں حافظ صاحب تھے اور حافظ عطاء اللہ تھانوی، جو اس وقت سے اب تک اس مدرسے میں استاد ہیں، وہ تھے، حافظ عبدالرزاق صاحب کے کچھ اور رشتے دار میاں جی شریف وغیرہ اور دوسرے دین دار مدرسے کے حمایتی مدرسے میں تھے اور مدرسے کے مخالفین وہ دوسری طرف جمع تھے، درمیان میں تالاب تھا مخالفین تالاب میں گھسے اور مدرسے کی طرف لاٹھیاں لے کر بڑھے، ادھر سے مدرسے کے حمایتی لاٹھیاں لے کر ان کو روکنے کے لیے تالاب میں گھسے اور تالاب ہی میں دونوں فریق لاٹھیوں سے لڑنے لگے، اچھے خاصے لوگ زخمی ہو گئے۔ اگلے دن جلال آباد کے اسپتال میں جا کر ان زخمیوں کو دیکھا اور عیادت کی، بہرحال حافظ عبدالرزاق مرحوم کی استقامت اور ان کے تقویٰ اور بلند ہمتی کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس ادارے کی حفاظت فرمائی اور اس کی خدمات کے نتیجے میں وہاں علما اور حفاظ کی اتنی تعداد تیار ہوئی کہ قرب وجوار اور دور دراز کے بڑے بڑے قصبوں میں بھی نہ اتنے حافظ ہوئے تھے، نہ عالم۔ پھر حافظ عبدالرزاق صاحب بیمار ہوئے، معدے کی تکلیف تھی اور اسی میں ان کا انتقال ہو گیا، اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو شہادت کا مقام بھی عطا فرمایا اور ان کے قائم کیے ہوئے مدرسے کو پھلنے پھولنے کی توفیق عطا فرمائی، مولانا رفیق احمد صاحب کے آنے کے بعد، وہاں باقاعدہ دورۂ حدیث تک تعلیم کا سلسلہ قائم ہو گیا۔

مولانا جمشید علی صاحب جرتھاول سے اور مولوی مفتی نصیر احمد صاحب مفتاح العلوم جلال آباد سے تقسیم اسباق کے موقع پر ٹنڈوالہ یار آ گئے، مولوی نصیر احمد صاحب نے جلال آباد میں چار سال میں از تسہیل المبتدی تا دورۂ حدیث تعلیم حاصل کی تھی اور وہاں مدرس ہو گئے تھے، غالباً شوال کی سات آٹھ تاریخ تھی، تو مولانا احتشام الحق صاحب اور مولانا ظفر احمد عثمانی ٹنڈوالہ یار تشریف لائے، مولانا احتشام الحق صاحب نے علیحدگی میں مجھ سے فرمایا کہ اگر ابوداؤد کا سبق آپ کو دے دیا جائے تو آپ قبول کریں گے، میں نے عرض کیا کہ اس بات کے حوالے سے میرا کوئی مطالبہ نہیں ہے، اگر آپ ابتدائی درجات کے اسباق تجویز کریں تو مجھے قبول ہے اور درجات علیا کے اسباق تجویز کریں، تو ان سے انکار نہیں ہے، اس لیے اگر آپ "ابوداؤد" کا سبق مجھے دینا چاہتے ہیں تو دے دیں، مولانا نے پھر سوال کیا کہ آپ کو ابوداؤد کا سبق

پڑھانے میں کوئی اشکال تو نہیں ہے، میں نے کہا مجھے تو اشکال نہیں ہے، آپ کے بار بار پوچھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اشکال ہے، جبکہ میرا مطالبہ نہیں ہے تو مجھے یہ سبق نہ دیں، مولانا نے فرمایا کہ ابوداؤد کا سبق آپ کے پاس ہوگا، آپ ہی پڑھائیں گے، کچھ دوسرے اسباق بھی انہوں نے تجویز کیے، ان میں ''جلالین'' ''ہدایہ اولین'' اور ''حسامی'' کا سبق تجویز کیا گیا۔ مولانا جمشید اور مولانا نصیر احمد صاحب کو درجات وسطیٰ اور درجات ابتدائی کے اسباق تجویز ہوئے، مولانا احتشام الحق صاحب نے ابتدا میں تو بتایا نہیں تھا، بعد میں بتایا کہ ابوداؤد کا سبق یہاں مفتی اشتاق الرحمن صاحب کاندھلوی پڑھایا کرتے تھے جو اس وقت کے اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے نسائی شریف پر ان کا حاشیہ مشہور ہے' جامع ترمذی کی شرح الطیب الشذی بھی نامکمل احقر نے دیکھی تھی اور ابھی ان کا علمی کام ہے' اس وقت وہ بیمار ہیں، سبق پڑھانے کے قابل نہیں ہیں۔

نو وارد پر پرانے مدرسین کا اعتراض:

پرانے مدرسین کو اعتراض تھا کہ دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں حدیث کے اسباق ان حضرات نے پڑھائے ہیں، جو مظاہر علوم سہارنپور میں یا جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حدیث پڑھا چکے ہیں۔ اور انہوں نے ان مدارس میں حدیث نہیں پڑھائی اور یہ نوعمر بھی ہیں، اس لیے ان کو حدیث کا سبق نہ دیا جائے، مولانا احتشام الحق ان لوگوں کے اعتراض کی وجہ سے ہی مجھ سے بار بار پوچھتے تھے، کہ آپ کو ''ابوداؤد'' کے سبق کے بارے میں کوئی تردد تو نہیں ہے، جب اسباق کا آغاز ہوا تو ابوداؤد کا سبق پہلے گھنٹے میں تھا، تو دورۂ حدیث کے اسباق کا آغاز ابوداؤد کے سبق سے ہوا، میں وقت پر دارالحدیث پہنچا، طلبا بھی آگئے، گیارہ طالب علم دورہ حدیث میں تھے، یہ اس دارالعلوم کی نشاۃ ثانیہ تھی۔

مولانا کیملپوریؒ اور مولانا بنوریؒ کے چلے جانے کے بعد دارالعلوم ویران ہوگیا تھا اور سال گزشتہ دورے میں صرف ایک طالب علم تھا۔ میرے لیے یہاں کا ماحول بالکل اجنبی تھا، مگر مجھے اللہ کے فضل سے یہ اطمینان تھا کہ کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

ابوداؤد کے سبق میں مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی تشریف آوری

سبق کا آغاز ابھی نہیں ہوا تھا کہ مولانا ظفر احمد صاحبؒ اور مولانا احتشام الحق صاحبؒ دارالحدیث میں آگئے، پہلے تو مجھے یہ خیال ہوا کہ دورۂ حدیث کے اسباق کے افتتاح کے لیے یہ حضرات آئے ہیں، اس لیے میں اپنی جگہ سے اٹھنے لگا، مگر انہوں نے فرمایا کہ آپ اپنی جگہ پر بیٹھیں اور سبق پڑھائیں۔ ایک میرے دائیں جانب بیٹھ گئے اور دوسرے بائیں جانب، تب مجھے اندازہ ہوا کہ یہ میرا سبق سننے کے لیے آئے ہیں، تو میں نے سبق شروع کرا دیا اور درس حدیث سے متعلق ابتدائی باتیں بیان کیں اور گھنٹہ ان ہی میں پورا ہوگیا۔ دوران درس میں نے محسوس کیا کہ مولانا ظفر احمد عثمانی سر ہلا ہلا کر میرے بیان کی تائید کررہے ہیں۔ (جاری ہے)

☆......☆......☆